کرنے میں بڑا کامیاب کردار ادا کیا۔ یہ "الہلال" کی دعوت اور تعلیم کا اعجاز تھا کہ مسلمانوں نے کانگریس میں دلچسپی لینا شروع کیا اور کانگریس کے ۳۵ ویں سالانہ اجلاس ناگپور (۱۹۲۰ء) میں ۱۵۸۲ ڈیلی گیٹس شریک ہوئے، جن میں مسلمان ڈیلی گیٹس کی تعداد ۱۰۵۰ تھی۔ تحریک عدم تعاون (۲۲۔۱۹۲۰ء) میں بیس ہزار افراد نے رضا کارانہ گرفتاریاں پیش کیں جن میں مسلمانوں کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ تحریک نمک سازی میں ۸۰۰۰ ۷ افراد کو سزائیں ہوئیں ان میں تیرہ ہزار مسلمان بھی شامل تھے۔ برطانوی استعمار اور فرقہ پرستوں کے لئے اتحاد و اتفاق کی سیاسی فضا تباہ کن تھی چنانچہ اس کے خلاف سازشوں کا نیا دور شروع ہوا اور سیاسی حالات کو پھر وہیں لا کھڑا کیا۔ انتشار نفاق اور نفرت و حقارت کی خوب خوب آبیاری کی گئی جس نے تناور درخت کی شکل اختیار کر لی۔ مسلمانوں کی اکثریت خوف کا شکار ہو گئی اور ہندوؤں کی عددی اکثریت کا بھوت ان کے سر پر پھر سے سوار کر دیا گیا(۱)۔

مولاناؒ نے الہلال کے ذریعے مسلمانوں کے جامد مذہبی تصور پر بڑی شدت سے وار کیا اور انہیں مذہب کے قرآنی تصور سے آگاہ کیا۔ الہلال کی دعوت کا یہ قرآنی پہلو اتنا نمایاں اور منفرد تھا کہ وقت کے بڑے بڑے علماء اس حقیقت کو ماننے لگے تھے کہ مولاناؒ نے انہیں قرآن کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلایا۔ مولانا آزادؒ نے مسلمانوں کی مذہبی بیداری میں بھی بہت اہم کردار ادا کیا مولاناؒ نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ مذہب صرف چند جامد عقاید اور رسمیات کا نام نہیں بلکہ یہ ایک پیہم عمل اور جدوجہد کا نام ہے۔ یہ جہاد زندگی کا دوسرا نام ہے۔ مولاناؒ نے اس جہاد کا نعرہ ایک ایسے وقت میں بلند کیا جب انکی اپنی بد بخت اور سر نگوں طوالع قوم "ملکی ترقی کے لیے ایک روک، ملک کی فلاح کے لیے ایک بدقسمتی راہ آزادی میں سنگِ گراں، حاکمانہ طمع کا کھلونا دستِ اجانب میں بازیچہ لعب، ہندستان کی پیشانی پر ایک گہرا زخم اور گورنمنٹ کے ہاتھ میں ملک کی امنگوں کو پامال کرنے کے لیے ایک پتھر (بنی ہوئی تھی) یہ قابل رحم مگر مسحور انسانوں کا ایک گلہ تھا جسکے ہر فرد کو کسی زبردست کاہن نے اپنے منتر سے جانور اور غلامی کو فخر جانتے تھے یہ ایک ایسا گروہ تھا جسے نوآبادیاتی نظام نے اس حد تک مسخ کر دیا تھا کہ اس میں انسانی سطح پر زندگی بسر کرنے کا کوئی شعور باقی نہ رہا تھا یہ نیم انسانوں کا ایک ایسا اجتماع تھا جو سوچ اور عمل سے یکسر محروم تھا گویا وہ ایسا معمول تھا جو "مسمریزم کے ارادہ پر زندہ ہو، ایک وجود شل، جو صرف زمین کے لیے بار ہو، ایک درخت، جو حرکت کے ہوا کا منتظر ہو، ایک پتھر جو کسی ذی روح کے بغیر حرکت دیے ہل نہ سکتا ہو اور سب سے آخر یہ کہ ایک بدبختی کا داغ جو انسانوں کی پیشانی پر ہو۔(۲)

الہلال مولانا ابوالکلام آزادؒ کے سیاسی پروگرام کا نقطۂ آغاز تھا۔ ہندستان کی قومی تاریخ میں جب بھی آزادیٔ ترقی پسندی، مذہبی رواداری، اور روشن خیالی کا ذکر آئے گا۔ الہلال کا ذکر اسکے ساتھ ساتھ ہوگا۔ الہلال نے بیسویں صدی

کے مسلمانوں کی قومی زندگی میں ایک ایسے مرتاض کی حیثیت اختیار کی تھی جس نے مسلمانوں کی ذہنی پسماندگی اور ژولیدہ فکری جیسے کہنہ امراض کی تشخیص اور علاج کے لیے ایک تیر بہ ہدف نسخہ تجویز کیا۔ الہلال نے پہلے تو مسلمانوں کے عوارض کا پتہ چلایا اور بتایا کہ مسلمانوں میں سیاسی آزادی کے ولولے کیوں نہیں ابھرے؟ ایثار و قربانی کا جذبہ کیوں مفقود تھا؟ علماء مذہب کی حقیقی روح سے کیوں بیگانہ تھے اور قوم برطانوی استعمار کے ہاتھوں میں کیوں کھلونا بنی تھی (۳)۔

الہلال کی دعوت قربانی اور جدوجہد کی دعوت تھی۔ مولانا سب سے پہلے خود اس قربانی کے لیے تیار ہوئے۔ اسکے بعد قوم کو برطانوی استعمار کے خلاف بغاوت پر اُکسایا۔ الہلال کی دعوت انقلاب اور آزادی کا نقطۂ آغاز تھا۔ مولانا کے نزدیک اسلام آزادی اور حریت کا ایک عالمگیر پروگرام تھا۔ بقول ڈاکٹر تاراچند (الہلال) ایک کوہ آتش فشاں کے پھٹنے کے مشابہ تھا۔ جو فضائے آسمانی میں آگ ہی آگ پھینکتا ہے اور زمین کے کل جغرافیائی رقبہ کو پگھلے ہوئے لاوے سے بھر دیتا ہے۔ مایوس مسلمانوں کو اپنی حکومت کا رونا رو رہے تھے جمود سے نکال کر انکے دلوں کو عزم و حوصلے سے بھر کر ان لوگوں کے حُسن ظن اور اعتماد پر بھی ضرب کاری لگائی جو سراعات حاصل کرنے کیلئے حکمرانوں پر بھروسہ کرتے تھے " (۴)

الہلال کے سیاسی اور فکری اثرات اتنے دیرپا تھے کہ ہندستان کی سیاسی و قومی زندگی میں بعد میں آنے والی تحریکوں اور واقعات کے سلسلے میں جب بھی جدوجہد قربانی، اور ایثار کا ذکر آتا الہلال کا ذکر اسکے ساتھ لازم ہوتا۔ بقول محمود انصاری " تحریک آزادی کی تائید کرنے والے بعض اخبار برسہابرس شائع ہوتے رہے لیکن وہ جدوجہد آزادی پر اس حد تک اثر انداز نہیں ہو سکے جس قدر کہ یہ دونوں رسائل (الہلال ، البلاغ) جو شکل سے چار، پانچ سال تک شائع ہوتے رہے۔ تحریک آزادی کے آخری دور میں یہ جرائد شائع ہوتے رہے تو شاید یہ کہا جا سکتا تھا کہ ان کی مقبولیت تحریک آزادی کے کامیابی کی قربت کے دوران عوام میں پیدا جوش و خروش سے وابستہ تھی لیکن یہ رسائل تو اس وقت تک تحریک آزادی کی تاریخ کا جزو بن چکے تھے " (۵)

الہلال کے ان دیرپا سیاسی اور فکری اثرات کے حوالے سے مولانا آزاد خود اپنے مشہور عدالتی بیان میں فرماتے ہیں:

" میں نے ۔۔۔ الہلال کے ذریعے مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ آزادی کی راہ میں قربانی و جاں فروشی ان کا قدیم اسلامی ورثہ ہے ۔۔۔ ان کا اسلامی فرض یہ کہ ہندستان کی تمام جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔" ۔۔۔ میں اس جرم سے کیوں انکار کر سکتا ہوں کہ جب کہ میں ہندستان کی اس آخری اسلامی تحریک کا داعی ہوں، جس نے مسلمانانِ ہند کے پولیٹیکل مسلک میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور بلا خر وہاں تک پہنچا دیا، جہاں آج نظر آ رہا ہے ۔۔۔ یعنی ان میں سے ہر فرد میرے اس جرم میں شریک ہو گیا ہے ۔۔۔ الہلال نے مسلمانوں کو تعداد کی جگہ ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی اس لیے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں،

جن کا نتیجہ آج متحدہ تحریک خلافت وسوراج ہے۔ بیورو کریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے پہلے الہلال کی ضمانت ضبط کرلی گئی۔ پھر جب البلاغ کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کردیا۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ الہلال تمام تر آزادی یا موت کی دعوت تھی"۔(۶)

الہلال نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری کا پیغام مذہبی پیرائے میں پیش کیا اور یہ ایک ایسا طرز عمل تھا جسکی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ ایک طرف تو مسلمان جمود اور تقلید پرستی کے عوارض میں مبتلا تھے تو دوسری طرف انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے بیزاری کے روگ میں مبتلا تھا۔ " الہلال کے ذریعے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ایک طرف مذہبی طبقے میں وقت کے اہم سیاسی مسائل کے احساس اور عمل کے ذوق کو ابھارہ اور دوسری طرف انگریزی تعلیم یافتہ طبقے کے دل میں مذہب کی محبت اور عزت پیدا کردی اسکی تصدیق مولانا محمود حسن اور مولانا شوکت علی کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ جنہیں مولانا آزادؒ کے "تذکرہ" کے مرتب نے اپنے مقدمے میں نقل کیا ہے۔ مولانا محمود حسن نے مولانا آزادؒ کے بارے میں کہا تھا " ہم سب اصل کام کو بھولے ہوئے تھے۔ الہلال نے یاد دلایا اور مولانا شوکت علی نے خود مرتب سے کہا تھا" ابوالکلام نے ہم کو ایمان کا راستہ بتایا " اس طرح مسلمانوں کے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کا کام جو ایک طرف سے مولانا محمد علی نے کیا تھا دوسری طرف مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کہیں زیادہ کامیابی کے ساتھ انجام دیا " (۷)

الہلال اول سے آخر تک سے ایک قرآنی للکار تھی۔ اس کے ذریعے مولاناؒ مسلمانوں کی سوئی ہوئی لاش میں ایک روح پھونک کر انہیں استخلاص وطن کی جدوجہد کے لیے تیار کررہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مسلمانوں کے مذہبی شعور میں ایک انقلاب برپا کررہا تھا۔ مولانا الہلال کے مقصد اصلی کو اس کے سوا کچھ نہیں سمجھتے کہ "وہ مسلمان کو ان کے تمام اعمال، معتقدات میں حرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر عمل کی دعوت دیتا ہے" اس طرح ان کے نزدیک الہلال کا عقیدہ قرار پایا کہ " مسلمانوں میں جس دن انکی گمشدہ قرآنی روح پھر بیدار ہوجائے گی اس دن پھر وہ اپنے اندر ہر چیز کامل واکمل پائینگے "(۸)۔ بقول مالک رام: "الہلال میں انہوں نے قرآن کو ایسے انوکھے اور دل نشین انداز میں پیش کیا کہ اسے بالائے طاق سے اتار کر روزمرہ کے استعمال کی چیز بنادیا" (۹)

درحقیقت سرسید احمد خانی تعلیمات نے مسلمانوں سے انکی اپنی اصل شناخت کھودی تھی اور وہ اپنا قومی اعتماد کھو چکے تھے۔ اسلئے مولاناؒ الہلال کی دعوت سے ان کو الگ سے منظم اور تیار کرکے میدان جہاد حریت وطن میں اتارنا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں کی انفرادیت بھی باقی رہے اور وہ کسی بڑے ابنوہ میں اپنی شناخت کے بغیر نہ ہوجائیں۔ اسلئے مولاناؒ مسلمانوں کو قرآن کی زبان میں دین کی دعوت دے رہے تھے"۔۔۔ (۱۰) بقول مالک رام: "الہلال کا سب سے

بڑا فائدہ مسلمانوں کی سیاسی بیداری کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا۔ وہ عام طور پر اسکے ذمہ دار گردانے گئے تھے اور اس لیے انگریز کا عتاب بھی زیادہ تر اپنی پر نازل ہوا تھا۔ سرسید احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کو عام سیاست میں عموماً اور کانگریس کی سرگرمیوں میں خصوصاً حصہ نہ لینے کا جو مشورہ دیا تھا، اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ انگریزوں کے دل سے مسلمانوں کی مخالفت زائل کرنا چاہتے تھے۔۔۔ لیکن غلطی یہ ہوئی کہ مسلمانوں نے اس وقتی مشورے کو اپنی مستقل پالیسی بنالیا۔ اور سرسید کے بعد کے آنے والوں نے اس سے سرمو انحراف کرنے کو گناہ خیال کیا۔ مولانا کا احتجاج اسی پالیسی کے خلاف تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی برادران وطن کے دوش بدوش ملک کی آزادئ کی جنگ میں حصہ لیں۔ انہیں یہ بات کھلتی تھی کہ اسلام جو دنیا بھر کو "اصروا غلال" سے آزاد کرانے کے لیے آیا تھا۔ اُسکے نام لیوا آج خود اپنی غلامی پر یوں مطمئن ہیں۔ گویا انہوں نے یہ سبق کبھی پڑھا ہی نہیں تھا۔ وہ انہیں بار بار جھنجوڑتے اور کچھ کے دیتے کہ نیند کے مارو جاگو اور دیکھو کہ زمانہ کس تیزی سے آگے جارہے۔۔۔ بارے ان کی کوشش رنگ لائی اور مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوگیا جس نے ملک کی آزادی کے حصول میں نمایاں حصہ لیا۔

ہر ہفتے جولاوا مولاناؒ کے قلم سے الہلال کے مضمون پر منتقل ہورہا تھا۔ اس سے ایک آگ سی لگ گئی۔ اس پرچے کی کامیابی اور ہردلعزیزی کا اندازاس سے لگ سکتا ہے کہ اگرچہ اسکی قیمت چار آنے فی پرچہ تھی (جو اس زمانے کے لحاظ سے خاصی قیمت تھی) یہ ہر ہفتے بیس پچیس ہزار چھپتا تھا اور اسے کم از کم ایک لاکھ آدمی پڑھتے تھے۔۔۔ (۱۱)

مالک رام نے الہلال کے استعمار دشمن اثرات اور انقلابی نقطۂ نظر کے حوالے سے لکھا ہے:

"الہلال" ایک "دعوت" تھا جس کا ایک مقصد دین الٰہی اسلام کی تجدید اور اسکے بنیادی اصول "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زندہ کرنا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی کوئی قابل اعتراض بات دیکھتے، بیباکانہ اسکے خلاف اپنی رائے کا اظہار کردیتے۔ اس میں حکومت اور عمال حکومت پر خاص طور سخت لب ولہجے میں نکتہ چینی ہونے لگی۔ الہلال کا اصلی کارنامہ اس کے مدیر شہر کی طرز تحریر کی ہدایت تھی۔ کاہے کو کبھی کسی رسالے کے ایڈیٹر نے اپنے ہم وطنوں کو، ارباب حکومت کو، اکابر قوم کو، علمائے دین کو یوں للکارا ہوگا۔ مولانا آزاد نے کسی کو نہیں بخشا۔۔ بدیشی حکومت پر انکی گرفت اور بھی شدید تھی اور جب یہ خیال میں رہے کہ الہلال جولائی ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا اور البلاغ سمیت ۱۹۱۶ء میں بند ہوگیا۔ یعنی لے دے کے ساڑھے تین برس، تو اسکے اثرات اور نتائج سے حیرت ہوتی ہے اس وقت تک ہماری قومی تحریک اس مرحلے پر تھی کہ دوسروں کا تو کیا ذکر، کانگریس کے سالانہ اجلاس میں بھی سب سے پہلی قرارداد حضور قیصر ہند ملک معظم سے ملک وقوم کی وفاداری کی منظور کی جاتی تھی۔ مہاتما گاندھی ہنوز جنوبی افریقہ سے ہندستان نہیں پہنچے تھے اور پوری سیاسی تحریک بہت ہی نرم رُو اور نرم گفتار تھی حکومت پر اسکے اعمال واقوال پر کڑی نکتہ چینی کی ابتدا " الہلال" ہی سے ہوئی (۱۲)

کسی بھی رسالے کو مقبول بنانے کے لیے اسکی پالیسی کو عوامی رجحانات کے بہاؤ میں چھوڑ دینا بڑا آسان ہے، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ رسالہ عوامی احساسات کا آئینہ دار ہے۔لیکن اپنے نظریات کو منوانا، قارئین کے خیالات کو تبدیل کرنا، عوامی رجحانات کے رُخ کو موڑ دینا، کسی بھی صحیفہ نگار کی قابلیت اور اہلیت کا امتحان ہوتے ہیں۔مولانا ابوالکلام آزادؒ اس امتحان میں کامیاب ہوئے تھے۔ ایک طرف انہوں نے تحریک آزادی میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف مسلمانوں کو تحریک آزادی کی طرف راغب کیا الہلال کی اشاعت کے آغاز سے قبل صورتحال یہ تھی کہ بقول مولانا آزادؒ تمام انقلابی جماعتیں مسلمانوں کی مخالفت میں سرگرم میں اور دیکھتی تھیں کہ برطانوی حکومت نے ہندوستانی تحریک آزادی کی مخالفت میں مسلمانوں کو آلہ کار بنا رکھا ہے اور مسلمان اسکے اشارے پر چلتے ہیں"۔ (۱۳)

حوالہ جات

۱۔ محمد فاروق قریشی "مولانا ابوالکلام آزادؒ اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست" تخلیقات لاہور ص ۳۹۶

۲۔ قاضی جاوید " سرسید سے اقبال تک" تخلیقات لاہور ص ۱۷۷ ۔ ۱۸۰

۳۔ محمد فاروق قریشی "مولانا ابوالکلام آزادؒ اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست" تخلیقات لاہور ص ۳۹ ۔ ۴۰

۴۔ ڈاکٹر تاراچند "مسلم افکار سیاست" دارالکتب لاہور ۲۰۰۲ ص ۱۳۰

۵۔ محمود انصاری "تحریک آزادی میں "الہلال " "البلاغ" کا حصہ" مولانا ابوالکلام آزادؒ ایک سیاسی مطالعہ مولف ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری جمعیت پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۲ ص ۴۵۵

۶۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ "قول فیصل" البلاغ پریس کلکتہ ۱۹۲۲ ص ۶۴ ۔ ۶۷

۷۔ ڈاکٹر عابد حسین "ہندستانی مسلمان آئینہ ایام میں " مشعل بکس لاہور ۲۰۰۲ ص ۱۲۲

۸۔ محمود انصاری "تحریک آزادی میں "الہلال " "البلاغ" کا حصہ" مولانا ابوالکلام آزادؒ ایک سیاسی مطالعہ مولف ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری جمعیت پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۲ ص ۴۵۵ ۔ ۴۵۶

۹۔ مالک رام " کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں" فینس بکس لاہور ۱۹۹۰ ص ۶۶ ۔ ۶۷

۱۰۔ " " ص ۶۶ ۔ ۶۷

۱۱۔ مالک رام " کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں" فینس بکس لاہور ۱۹۹۰ ص ۷۹ ۔ ۸۰

۱۲۔ ایضاً ص ۵۹ ۔ ۶۱

۱۳۔ محمود انصاری "تحریک آزادی میں "الہلال " "البلاغ" کا حصہ" مولانا ابوالکلام آزادؒ ایک سیاسی مطالعہ مولف ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری جمعیت پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۲ ص ۴۵۵ ۔ ۴۵۶

اور اس کی عمر دراز ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔''

اسی طرح خطبہ کے ابتداء میں آیت کے بعد جو حدیث میں نے ذکر کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرابت داری اور صلہ رحمی کا کامل اظہار تب ہے جبکہ اس کی بنیاد ایک دوسرے کا بدلہ چکانے پر نہ ہو بلکہ قرابت دار اور پڑوسی کے ساتھ جو کچھ تعاون کرنا ہو وہ حق شناسی اور حق کی ادئیگی کے احساس پر ہو۔ اس نیت پر کسی کے ساتھ امداد کرنا کہ کل وہ بھی میرا بدلہ چکائے گا کوئی نیکی اور رشتہ داری کا حق ادا کرنا نہیں۔ بدقسمتی سے آج کے مسلمانوں کا معاملہ بھی اسی قسم کا ہے کہ اگر میرے ساتھ رشتہ دار، رشتہ داری کا معاملہ کرے گا تو میں بھی کروں گا اور اگر وہ مجھ سے رخ موڑ دے تو میں بھی اسی طرح معاملہ کروں گا۔ ادلے بدلے کی بنیاد پر اپنے رشتہ دار یا غیر سے ناتے داری کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔ "ایتا ذی القربی"

احسان وسلوک وہ ہے جو خالص اللہ کی رضا کے لئے ہو' کیا ہی خوب بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ''جواں مرد وہی شخص ہے جو اپنا حق کسی سے طلب نہ کرے اور خود دوسروں کا حق ادا کرے۔'' نیز یہ بھی یاد رکھیں کہ ذی القربی کی سب سے بہتر خبر گیری یہ بھی ہے کہ اگر وہ دینی لحاظ سے گمراہی کے راستوں کو اختیار کئے ہوئے ہوں' تو ان کا عقیدہ درست کرنے میں اور ان کو شریعت کے راہ پر چلانے کے لئے صراط مستقیم کی دعوت دینا۔

منکرات اور فواحش سے روکنا:

محترم حاضرین۔ اب اس آیت میں جن تین کاموں سے منع ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ حرام ہیں ان میں پہلا حکم وینھیٰ عن الفحشاء ہے۔ فحشاء سے مراد وہ گناہ ہیں جس کے فحشاء ہونے کے لئے کسی لغت میں اس کا مفہوم تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو' بلکہ وہ ایسی کھلی اور ظاہر برائی ہو جس کو ہر عقلمند برائی سمجھے اور منکر وہ جس کی برائی ہونے پر امت کا اتفاق ہو۔ اس کی حرمت پر کسی کو شک وشبہ نہ ہو' بغی کا مفہوم حد سے تجاوز کرنے کے ہیں' یعنی حد سے تجاوز بڑھ کر ظلم و عدوان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

عدل نبی کی ایک تاریخی مثال:

عن عائشہؓ ان قریشا اهمهم شان المرأة المخزومية التی سرقت فقالو من تکلم فيها رسول الله ﷺ فقالو امن يحترئ عليه الااسامة بن زيد حب رسول الله ﷺ فكلمه اسامة فقال رسول الله ﷺ تشفع فی حد من حدود الله ثم قام فاختطب ثم قال انما اهلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد۔ وايم الله لوان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها (بخاری ومسلم)

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے راویت ہے کہ (ایک دفعہ) قریشی صحابہؓ بنی مخزوم قبیلہ سے تعلق رکھنے والی عورت کے بارہ